فقہ حنفی کی مقبولیت کے اسباب اور خصوصیات

(Features of the Ḥanafi fiqh and the Causes of its Growth)

☆ محمد ریاض

☆ محمد فیاض

☆ سید مبارک شاہ

Abstract

The Fiqh has its origins in Kūfah, the city founded by the second caliph 'Umar (may Allah be pleased with him). The Caliph had directed 'Abdullah Bin Mas'ūd to establish a grand centre of Islamic Education there. It was the place where Imām Abū Ḥanīfah taught and laid the foundations of the Ḥanafi school of thought. This being the First Fiqh School in Islam was soon patronized by the Muslim Rulers. The appointment of Imām Abū Yūsuf as head of the department of Justice by the Abbasid Caliph Hārun al Rashid also paved the way for appointment of many Ḥanafi Scholars on important positions. The law based on the doctrine of this school of thought was enacted and promulgated in the Abbasid Empire. The rise of Nūr Muḥammad Zangi in Syria, Turkey and Egypt saw the spread of Ḥanafi fiqh through out the Muslim World. The rise of this Fiqh was further strengthened and enriched by the growth of literature in it. The name of Imām Abul Ḥasan al-Qudūri must be mentioned in this respect. His Book *Mukhtaṣar al-Quduri* is a brief but comprehensive study of Fiqh is an outstanding manner. Ḥanafi Fiqh has become global due to its general appeal and literary works of the outstanding scholars. Nearly eighty percent Muslims, world wide, are the followers of Ḥanafi fiqh today. It is mainly due to the intellectual pursuit of Imām Abū Ḥanīfah who would use to discuss each emerging issue with his students and colleagues in greater detail and would reach the result after intenseive academic debates with them. Hence this article expounds the motives of the spread of Ḥanafi Fiqh and its leading Characteristics.

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے جب عراق میں نیا شہر کوفہ بسایا تو وہاں مدینہ منورہ کی بڑی علمی شخصیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنھما کو لا کر آباد کیا، تاکہ آپ یہاں ایک بڑا علمی مرکز قائم کریں۔ یہ عبداللہ بن مسعود کی علمی مسند تھی جس

* اسسٹنٹ پروفیسر، علوم اسلامیہ، شعبۂ مطالعات اسلام و مذاہب، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

* اسسٹنٹ پروفیسر، علوم اسلامیہ، شعبۂ مطالعات اسلام و مذاہب، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

* اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ اریبک سٹڈیز، پشاور یونیورسٹی

پر امام ابو حنیفہؒ بیٹھے۔ یہاں فقہ حنفی کی ابتداء ہوئی اور یہیں سے حنفی مذہب پھر ساری دنیا میں پھیلا۔ مذہب حنفی پھیلاؤ کے اعتبار سے تمام فقہی مکاتب میں زیادہ وسیع ہے اور اس کے پیرو کثرت سے پائے جاتے ہیں جو دنیا کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کے پھیلنے کے درج ذیل اسباب ہیں:

۱: یہ فقہی مذاہب میں پہلا مذہب ہے جس کی بنیاد امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ نے ۱۵۰ھ میں رکھی۔ امام صاحب کی وفات کے بعد علماء نے بغداد میں اس کی خوب تدریس کی۔ پھر اس کی عام اشاعت ہوئی اور یہ اکثر اسلامی ممالک میں پھیل گیا۔ دوسرے مذاہب جب تک ان علاقوں تک پہنچتے تو فقہ حنفی نے عام وخاص میں پذیرائی حاصل کرلی ہوتی۔ عربی ممالک کی حدود سے نکل کر مذہب حنفی سرزمین ہند وچین میں پہنچ گیا جہاں کوئی اس کا مزاحم نہ ہوسکا۔ ان ممالک کے دورافتادہ گوشوں میں یہ مذہب آج تک ایک منفرد مذہب کی حیثیت سے زندہ ہے۔ ہند وچین کے مسلمان اب تک اپنی عبادات اور خانگی زندگی سے متعلقہ معاملات میں حنفی مذہب کے راجح اصولوں پر عمل کرتے ہیں[1].

۲: وسعت اور قانونی ضروریات کے زیادہ پوری کرنے کی وجہ سے فقہ حنفی میں ریاستی قوانین بن گئے۔ جن کی بنا پر یہ سرکاری اور حکومتی مسلک قرار دیا گیا۔ اس مذہب کا سنہری دور امام ابو یوسفؒ کے منصب قضاء پر فائز ہونے سے شروع ہوتا ہے جب عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے انہیں اصرار کرکے منصب قضاء پیش کیا۔[2] جب آپ چیف جسٹس بنائے گئے تو خلافت عباسیہ کے تمام قاضی آپ کے تابع فرمان ہوئے۔ سب قاضی آپ کے حکم سے تعینات کیے جاتے۔ مشرق سے لے کر شمالی افریقہ تک تمام بلاد اسلامیہ میں جو قاضی مقرر کیے جاتے وہ سب آپ کے انتخاب کردہ ہوتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ آپ ان لوگوں کو قاضی بنانا پسند کرتے جو طریق اجتہاد وفتویٰ میں ان کے ہمنوا ہوتے اور ان کا طریق استنباط وہی ہوتا جو امام ابو حنیفہ کا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فقہائے عراق کے افکار وآراء تمام بلاد اسلامیہ میں پھیل گئے۔[3]

۳: مصر میں حنفی فقہ کی اشاعت خلیفہ مہدی کے عہد خلافت میں ہوئی۔ خلیفہ کے حکم سے اسماعیل بن الیسع کوفی، مصر کے قاضی مقرر ہوئے۔ اور جب تک عباسی خلفاء مصر پر قابض رہے وہاں حنفی فقہ غالب رہی۔ چونکہ مصر میں امام شافعیؒ عرصہ دراز تک اقامت گزیں رہے تھے اس وجہ سے مصر میں فقہ شافعی کو مرتبہ اور مقام حاصل رہا جبکہ جنوبی مصر میں فقہ مالکی رائج ہے۔ جب مصر میں حنفی فقہ مقبول عام ہوئی اور سلطان صلاح الدین کو عباسی خلافت سے روابط استوار کرنے کا خیال پیدا ہوا تو انہوں نے قاہرہ میں احناف کے لئے مدرسہ سیوفیہ قائم کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حنفی مذہب عام طور پر مصریوں میں پھیلنے لگا۔ جب عثمانی ترک مصر پر قابض ہوئے تو سب قاضی

احناف میں سے تعینات کیے جانے لگے۔ کثیر تعداد میں طلبہ فقہ حنفی کی جانب متوجہ ہوئے اور فقہ حنفی نے اس سے بڑا فروغ پایا اور ابتدائی دور کی طرح حنفی مسلک کو پھر سرکاری سرپرستی نصیب ہوئی اور احکام و فتاویٰ اسی فقہ کی روشنی میں صادر کیے جانے لگے۔[4]

تاریخ القضاء فی الاسلام میں مذکور ہے کہ:

''جب سلطان نورالدین محمد بن عمادالدین زنگی حنفی المسلک تخت نشین ہوئے تو بلاد شام میں فقہ حنفی پھیل گیا اور مصر میں احناف کی کثرت ہو گئی''[5]

۴: چوتھی صدی ہجری میں یمن کے دو مشہور شہروں صنعاء اور صعدہ کے اکثر باشندوں کا فقہی مسلک حنفی تھا اس کے علاوہ عراق اور شام میں فقہاء و قضاۃ حنفی مسلک کے پیروکار تھے۔ وہاں کوئی قصبہ یا دیہات ایسا نہیں تھا جہاں حنفی مسلک کے پیروکار موجود نہ ہوں۔ وہاں کے قاضی بھی حنفی ہوا کرتے تھے۔ دوسری جانب مشرقی ممالک خراسان، سجستان اور وسط ایشیا وغیرہ میں حنفی مسلک ہی رائج رہا، اس کے علاوہ جرجان کے اکثر علاقوں اور طبرستان کے بعض حصوں میں حنفی موجود ہیں۔ آرمینیا، آذربائیجان اور تبریز کے بعض شہروں میں بھی حنفی موجود ہیں لیکن تعداد میں کم ہیں۔ فارس میں بھی حنفیوں کی اکثریت رہی ہے۔ موجودہ دور میں حنفی مسلک کے پیروکار پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، افغانستان، عراق اور وسطی ایشیائی ریاستوں میں کثیر تعداد میں موجود ہیں[6] اور یہ اس وجہ سے کہ حکام مختلف علاقوں میں فقہ حنفی کے مطابق مفتیوں اور قاضیوں کا تقرر کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس وجہ سے فقہ حنفی کو زبردست تقویت ملی۔ شیخ ابوزہرہ مصری فقہ حنفی کی تاریخی قبولیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''ان سیاسی اثرات کے علاوہ کچھ دیگر اسباب بھی حنفی مذہب کی ہر دلعزیزی کا باعث بنے جیسے عام لوگوں کا حنفی مذہب سے مانوس ہو جانا اور علماء حنفیہ کی وہ مساعی جمیلہ جو انہوں نے اس مذہب کو مقبول عام بنانے میں سرانجام دیں۔ وہ مناظرات اور مباحث جو حنفی فقہاء اور دیگر مذہب کے علماء و فقہاء کے مابین ہوتے رہے انہوں نے بھی اس مذہب کو مقبول عام کیا۔ جب عباسی سیاسی قوت کمزور پڑ گئی تو وہ علماء ہی کی جدوجہد تھی جس نے مختلف بلاد و امصار میں حنفی مذہب کو زندہ رکھا۔ اس ضمن میں علماء کی کوشش ایک نہج پر قائم نہیں رہی بلکہ رفتار زمانہ کے پیش نظر اس میں کبھی قوت رونما ہوئی اور کبھی کمزوری واقع ہوئی۔ جن بلاد و امصار میں علماء اثر و رسوخ کے حامل تھے وہاں یہ مذہب پھلا پھولا اور برگ و بار لایا لیکن جہاں علماء کمزور تھے وہاں یہ مذہب کمزور پڑ گیا''[7]

۵: فقہ حنفی کے پھیلاؤ میں دوسرے اسباب کے ساتھ ساتھ فقہی ورثہ میں وہ زرخیزی ہے جس کی بدولت علماء احناف نے اسے اوج بلندی تک پہنچا دیا۔ اس مذہب میں فقہ کی تالیفات و تصنیفات اس کثرت سے ہیں کہ دوسرے کسی مسلک

کی کتب کی تعداد ان تک نہیں پہنچتی۔ ان میں الجامع الصغیر، الجامع الکبیر، کتاب الخراج اور مختصر القدوری خصوصی طور پر فقہ حنفی کی نشر واشاعت اور مقبولیت کا سبب بنے۔

۶: امام صاحب کے شاگردوں کا حلقہ بہت زیادہ وسیع ہے اکثر شاگرد ایسے تھے جو ان کا مسلک حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن لوٹ جاتے، لیکن ۳۶ شاگرد مستقل طور پر امام صاحبؒ کی معیت میں رہتے۔ آپؒ نے ان خصوصی اصحاب کے بارے میں ایک مرتبہ فرمایا": ان 36 میں سے 28 تو قاضی کے عہدے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور 6 فتویٰ دینے کی اور 2 یعنی امام ابویوسف اور امام زفرؒ اس فن کے پیشوا ہیں"[8]

امام صاحبؒ جن لوگوں کے بارے میں یہ رائے دے رہے تھے کہ وہ افتاء اور قضاء کی تعلیم وتربیت کی صلاحیت رکھتے ہیں تو وہ سب آپ کی زندگی ہی میں اپنا علم پختہ کر چکے تھے اور اس قابل تھے کہ اگر ان پر بھاری ذمہ داریاں ڈالی جائیں تو آسانی کے ساتھ انہیں اٹھا سکیں۔ عمر کے اعتبار سے بھی وہ اس کے اہل تھے۔ ان میں صرف امام محمد بن الحسنؒ کچھ کم عمر تھے کیونکہ امام صاحبؒ کی وفات کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی اور عقل نہ تو اس عمر میں پختہ ہوتی ہے اور نہ کوئی اس عمر میں قاضی کے عہدے پر فائز ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے باجود فقہ حنفی امام محمد کی مرہون منت ہے کہ آپؒ نے اپنی مشہور کتب میں فقہ حنفی کو جمع کیا اور آنے والے نسلوں کے لئے محفوظ کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی تاریخ کی خطرناک موجوں سے محفوظ رہا اور اس فقہی مسلک کے ائمہ و مجتہدین کو امت اسلامیہ نے اپنا امام و مقتدا تسلیم کیا اور ان کے نقش قدم پر چلے اور ان کی فقہی آراء پر عمل کیا اور ان کے مسلک حنفی نے شہرت حاصل کی، ان کی فقہ مدون کی گئی۔ ان ائمہ کی تمام فقہی آراء جمع کر لی گئی تھیں پہلے دور کے لوگوں کو یہ بات حاصل نہ تھی اس بناپر مستقل رائے کی حیثیت سے ان کے مقابلہ میں ان کو وہ شہرت حاصل نہ ہو سکی۔

امام صاحبؒ کے شاگردوں نے اپنے امام کے اجتہادات و فتاویٰ کو یکجا کر کے مدون کیا اور مختلف علاقوں میں فقہ حنفی کی ترویج کے لئے مدارس اور فقہی مراکز قائم کر کے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اور اس مذہب کی شہرت کا سب سے اہم سبب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے شاگردوں نے آپ کے اقوال کو پھیلانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ فقہ حنفی پر وارد ہونے والے مختلف اعتراضات کے مدلل جوابات دیئے۔ آپ کے تلامذہ کو اعلیٰ مناصب پر فائز ہونے کے مواقع میسر آئے جس کی وجہ سے ان کو اپنے اساتذہ کی فقہی آراء کو رواج دینے میں آسانی رہی۔ امام صاحبؒ کے مشہور شاگرد جنہوں نے نقل فقہ کے سلسلے میں قابل قدر کام کیا، میں امام زفر بن ہذیلؒ (متوفیٰ ۱۵۸ھ)، امام ابویوسفؒ یعقوب بن ابراہیم کوفی (متوفیٰ ۱۸۲ھ) اور امام محمد بن حسن شیبانی (متوفیٰ ۱۸۹ھ) شامل ہیں۔

فقہ حنفی کے کئی امتیازات ہیں جن میں سے چند اہم حسب ذیل ہیں:

1. فقہ حنفی خصوصی، قابل اعتماد اور قابل فخر شاگردوں کے علم کے مجموعہ کا نام ہے۔ فقہ حنفی جناب رسول کریم ﷺ کے خصوصی شاگردوں اور پھر ان کے خصوصی شاگردوں سے ہوتی ہوئی امام ابو حنیفہ کے پاس پہنچی۔
2. فقہ حنفی کی تدوین میں تمام علوم کے ائمہ اور ماہرین شامل تھے چنانچہ خطیب بغدادی نے ابن کرامہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک دن ہم امام وکیع بن جراح کی مجلس میں حاضر تھے کہ ایک شخص نے کہا: امام ابو حنیفہؒ نے غلطی کی ہے۔ امام وکیع نے فرمایا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابو حنیفہ غلطی کرے جبکہ اس کے ساتھ ابو یوسفؒ، زفر اور محمد جیسے قیاس اور اجتہاد کے ماہرین، یحییٰ بن زکریا ابن ابی زائدہ، حفص بن غیاث، حبان اور مندل جیسے حفاظ اور ائمہ حدیث اور داؤد بن نضیر الطائی اور فضیل بن عیاض جیسے متقین وزاہدین ہیں "**من كان هؤلاء جلساؤه لم يكد يخطئ لأنه إن أخطأ ردوه إلى الحق**"[9]۔ گویا فقہ حنفی کی تدوین کے وقت ہر قسم کے ممتاز علماء اور متخصصین اور مایہ ناز فقہاء جو کہ لغت عربی، تفسیری روایات، فقہی اصطلاحات اور دیگر علوم سے واقف تھے، ہمہ وقت شریک مجلس تھے۔ اس قسم کی فقہ میں کسی غلطی اور لغزش کی گنجائش نہیں ہوتی۔
3. امام ابو حنیفہؒ نے عباسی دور حکومت میں چالیس افراد پر مشتمل ایک باقاعدہ مجلس علمی قائم کی تھی۔ جس کا ہر فرد علوم وفنون سے آشنا تھا۔ یہ حضرات علم وفن میں مہارت کے ساتھ ساتھ خدا پرستی، زہد و تقویٰ اور دوسرے اوصاف سے بھی بھرپور طور پر متصف تھے۔ خود امام صاحبؒ جنہیں اس مجلس علمی کے صدر کی حیثیت حاصل تھی، سارے فضائل و کمالات کے جامع تھے۔ لہٰذا اس فقہ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ دوسری فقہوں کی طرح یہ فقہ بھی دقیق علمی مباحثوں کے بعد مرتب ہوا۔ ہم اسے مجلس شوریٰ کے مدون کردہ قوانین کہہ سکتے ہیں۔ فقہاء کی یہ کمیٹی وہ غیر سرکاری مقننہ تھی جو اسلام کے ودیعت کردہ اختیارات کے تحت قرآن وسنت کے دیے ہوئے خاکے کے مطابق قانون سازی کا عمل انجام دیتی رہی۔ چنانچہ علامہ زاہد الکوثری رقمطراز ہیں کہ:

"امام ابو حنیفہ کا طریقہ تفقیہ یہ تھا کہ اپنے شاگردوں کے سامنے کسی مسئلہ کا کوئی احتمال ذکر کرتے پھر ہر طرح سے اس مسئلہ کے تائید کا مکمل احاطہ (یعنی توضیح) کرتے اور شاگردوں سے پوچھتے کہ اس پر کسی کو کوئی اشکال ہو تو وہ پیش کرے اگر کوئی اشکال پیش نہ کرتا تو سب اسے قبول کر لیتے۔ اگر کوئی نقض وارد ہوتا تو اس پر بحث کرتے اور متفقہ مسئلہ لکھ لیتے تھے اگر کسی کی تشفی نہ ہوتی تو اس کا اختلافی نوٹ بھی درج کر لیا جاتا"[10]

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے امام شعرانیؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ مجلس علمی ایک ایک مسئلے پر کئی کئی دن تک بحث ومباحثہ کرتی بعض مرتبہ نوبت مہینے سے زیادہ تک پہنچ جاتی۔ پہلے امام، صاحبؒان کی رائے اور دلائل سننے اور لکھنے کا حکم

دیتے پھر اپنا اظہار خیال فرماتے اور اپنے اظہار پر قرآن وسنت اور اقوال صحابہؓ سے دلائل دیتے۔ اس کے بعد کہیں جاکر اگر اس مسئلے پر مجلس کا اتفاق رائے ہو جاتا تو امام ابو یوسفؒ اسے لکھ لیتے۔[11]

امام صاحبؒ نے اپنے تلامذہ کو یہ حکم دیا تھا کہ کسی مسئلے پر خواہ مخواہ جم نہ جانا بلکہ اس مسئلے میں اگر کسی اور کی رائے وزنی ہو، تو اسے اختیار کرلینا، اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دینا، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

"فاعلم أن اباحنیفة من شدة احتیاطه وعلمه بأن الاختلاف من أثار رحمته قال لاصحابه أن توجه لکم فقولوا به"[12]

آپ کے تلامذہ واصحاب اور بعد کے مجتہدین احناف نے اس قول کی اہمیت کو محسوس کیا اور جہاں کسی مسئلے کے اندر دلائل کی روشنی میں کوئی شبہ پیدا ہوا اسے ترک کر دیا اور کتاب وسنت کے دائرے میں جو دوسری صحیح صورت نظر آئی اس پر عمل کیا اور لوگوں کو بھی اس پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ ایسی بہت ساری مثالیں موجود ہیں، جن میں امام صاحبؒ کے شاگردوں نے دوسرے کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ خود امام صاحب کو بھی اگر کسی اور امام کا قول وزنی معلوم ہوتا تو آپؒ اپنے قول سے رجوع فرماکر اسے اختیار کرلیتے۔ اس کی بھی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔

22 برس کے بعد اس مجلس علمی نے ایک مجموعہ تیار کیا، جو 83 ہزار دفعات پر مشتمل تھا۔ ان میں سے 38 ہزار دفعات عبادات اور 45 ہزار معاملات سے متعلق تھے۔ اس مجموعے کو ترتیب دینے کے بعد اس کے آخر میں احکام الفرائض (میراث) کا اضافہ کر دیا گیا۔[13] امام صاحب کا یہ مدون شدہ قانون فقہ اس وقت کے علماء اور تمام اہالیان حکومت کے کام آیا۔ یہ قانون فقہ عدالتوں میں بھی داخل کر دیا گیا اور اسی کے مطابق فیصلے ہونے لگے۔[14]

4۔ فقہ حنفی میں نرمی اور یسر کا پہلو غالب ہے۔ ذیل میں آسانی کے اعتبار سے فقہ حنفی اور دیگر فقہاء کرام کے چند فقہی مسائل کا موازنہ پیش کیا جاتا ہے:

1۔ سرقہ کی سزا:

سرقہ کا حد قرآن میں قطع ید مقرر کیا گیا ہے۔ مجتہدین کے ہاں سرقہ کی تعریف میں چند قیودات اور شرائط کا اعتبار کیا جاتا ہے، جس کے بغیر قطع ید کی سزا نہیں ہوسکتی ۔ ان شرائط کے لحاظ سے احکام پر یقینا اثر پڑتا ہے۔ اس ضمن میں فقہ حنفی کے یسر اور سہولت کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں۔ ذیل میں کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

الف۔ امام ابو حنیفہؒ کے ہاں کفن چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا اس کی دلیل مصنف ابن ابی شیبہ میں ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ: **"لیس علی النباش قطع"**[15] یعنی کفن چور کا قطع ید نہیں۔ جبکہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔

ب۔ احناف کے ہاں اگر کوئی کسی ذی رحم محرم سے چوری کر لے تو اس پر قطع ید نہیں جبکہ امام شافعیؒ وغیرہ کے ہاں قطع ید ہے۔[16]

ج۔ احناف کے ہاں قرآن مجید کی چوری پر قطع ید نہیں جبکہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے ہاں اس پر بھی قطع ید ہے۔[17]

ان تینوں مثالوں سے فقہ حنفی کی تیسیر اور نرمی واضح ہو جاتی ہے۔ اگرچہ تینوں صورتوں میں انسان گنہگار تو ہو جاتا ہے لیکن فقہ حنفی نے چور سے اتنی نرمی برتی کہ اس کا قطع ید معاف کرایا۔

2۔ ہبہ:

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے ہاں ہبہ پر قبضہ ضروری نہیں جبکہ احناف کے ہاں ہبہ قبضہ سے تام ہو جاتا ہے، احناف کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہؓ کی یہ روایت ہے جسے طحاویؒ نے شرح معانی الآثار، بیہقی نے سنن اور امام مالک نے موطا میں نقل کیا ہے:

"[مجھے اپنے والد] ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مقام غابہ کے اپنے باغ میں سے کھجور کے درخت ہبہ کئے تھے۔ جن سے بیس وسق پیداوار حاصل ہوتی تھی۔ جب آپؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپؓ نے مجھ سے فرمایا: مجھے اپنے بعد کسی اور کا تجھ سے زیادہ مالدار رہنا پسند نہیں اور نہ ہی کسی اور سے تمہاری زیادہ مفلسی پسند ہے۔ میں نے تجھے بیس وسق کھجور کے درخت ہبہ کیے تھے اگر تو ان درختوں سے کھجور توڑ کر ان پر قبضہ کر لیتی تو وہ تیرا مال ہو جاتا۔ اب وہ سب وارثوں کا ہے جو تیرے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ تو ان درختوں کو کتاب اللہ کے موافق ان میں بانٹ لینا"[18]

اس مثال میں موھوب لھا کے لئے ہبہ پر قبضہ کرنا فائدہ سے خالی نہ تھا۔ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کھجور کے درختوں پر بروقت قبضہ کر لیتی تو وہ اس کی ملکیت بن جاتی۔ جب قبضہ نہیں کیا تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات پر یہ مال میراث بن گیا اور ظاہر ہے کہ ترکہ میں سارے ورثاء برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ شراکت کی وجہ سے ان کا حصہ کم پڑ گیا۔

3۔ شفعہ:

احناف پڑوسی کو حق شفعہ کا مستحق قرار دیتے ہیں جس پر نقلی دلائل کی تخریج امام ابو داؤدؒ نے بیوع، امام ترمذیؒ نے احکام اور امام نسائی نے شروط میں کی ہے۔ امام بخاریؒ نے بھی شفعہ میں ابورافع کی روایت نقل کی ہے جبکہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ پڑوسی کو حق شفعہ نہیں دیتے۔[19]

4۔ذمیوں کے معاملات:

امام ابو حنیفہؒ نے ذمیوں کے لئے جو قواعد مقرر کئے وہ نہایت فیاضانہ ہیں۔ ذمی تجارت میں مسلمانوں کی طرح آزاد ہیں، ان سے اسی شرح سے ٹیکس لیا جائے گا، جس شرح پر مسلمانوں سے لیا جاتا ہے۔ جزیہ جو ان کی محافظت کا ٹیکس ہے، کی شرح حسب حیثیت قائم کی جائیگی۔ مفلس شخص اگر جزیہ کا باقی دار ہو کر مر جائے تو جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ ذمیوں کے معاملات انہی کی شریعت کے مطابق فیصل کیے جائیں گے۔ ذمیوں کی اعزازی حالت یہ ہے کہ وہ حرم محترم میں جاسکتے ہیں۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں آباد ہوسکتے ہیں۔ تمام مساجد میں بغیر اجازت حاصل کیے داخل ہوسکتے ہیں۔ بجزان خاص شہروں کے جو خود مسلمانوں نے آباد کیے ہیں، وہ ہر جگہ اپنی عبادت گاہ بناسکتے ہیں۔ وہ اگر حربی کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیناچاہیں تو سپہ سالاران پر اعتماد کر سکتا ہے۔ اور ان سے ہر طرح کی اعانت لے سکتا ہے۔ اس قسم کے اور بھی احکام ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے عموماً تمام معاملات میں ذمیوں کے حقوق مسلمانوں کے برابر قرار دیے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان کے حقوق صرف اس صورت میں باطل ہوں گے جب وہ لڑائی پر آمادہ ہو جائیں۔ اس کے علاوہ اگر کوئی ذمی جزیہ ادانہ کرے یا کسی مسلمان عورت کے ساتھ زناکا ارتکاب کرے یا کافروں کی جاسوسی کرے یا کسی کو کفر کی ترغیب دے یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی شان میں بے ادبی کرے تو وہ سزا کا تو مستحق ہے لیکن باغی نہیں کہلائے گا اور نہ ہی اس کے حقوق باطل ہوں گے۔ اس کے برعکس امام شافعیؒ کے نزدیک اگر کوئی ذمی کسی مسلمان کو قتل کردے یا مسلمان عورت سے زناکا ارتکاب کرے وغیرہ، تو ان تمام صورتوں میں وہ حربی سمجھا جائے گا اور اس کے تمام حقوق باطل ہو جائیں گے۔[20]

5- اہل کتاب سے جزیہ:

امام شافعیؒ کے نزدیک صرف اہل کتاب سے جزیہ قبول کرنا درست ہے، بت پرستوں سے نہیں۔ اس لئے کہ کتاب اللہ میں اہل کتاب کی قید ہے اور رسول اکرم ﷺ نے بھی صرف اہل کتاب سے جزیہ لیا تھا۔ لہذا بت پرستوں سے جزیہ قبول کرنا اور مقاتلہ ماموربھا کو ترک کرنا اور بت پرستی کی اجازت دینا درست نہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ کی رائے کے مطابق اہل کتاب اور بت پرست سب کا جزیہ قبول کیا جائے گا۔ البتہ خاص عرب کے بت پرستوں کا نہیں۔ اس لئے کہ وہاں رسول کریم ﷺ کی نبوت ظاہر ہوئی اور وہاں پر بت پرستی ہر گز نہیں رہنی چاہیے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عرب کے تمام بت پرست قبائل مسلمان ہو چکے تھے۔ اب اگر بت پرستی ہو گی تو وہ ارتداد کی وجہ سے ہو گی اور مرتد بالاتفاق جزیہ دے کر بچ نہیں سکتا۔ سوم یہ کہ رسول کریم ﷺ کی وصیت ہے کہ جزیرہ عرب میں دو دین جمع نہیں ہوسکتے۔ اس لئے جزیہ لے کر وہاں بت پرستی کی اجازت نہیں دی جاسکتی اور عرب کے یہود و نصاریٰ سے جزیہ لینا اس لئے درست ہے کہ خود رسول کریم ﷺ نے ان سے جزیہ وصول فرمایا۔[21]

فقہ حنفی کی مذکورہ بالا اور دیگر کئی اور خصوصیات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے شرق وغرب میں قبولیت عام نصیب فرمائی اورآج امت مسلمہ کی اکثریت اسی فقہ کی رہنمائی میں قرآن وسنت پر عمل پیرا ہے۔امام ابوحنیفہؒ قرآن وسنت اورآثار صحابہ کی روشنی میں جن مسائل کا استنباط کرتے اورآپ کے اصحاب بحث ومباحثہ کے بعد انہیں قبول کرلیتے، توانہیں قلم بند کرلیاجاتا۔ آپ کی اس کوشش سے ایک قیمتی علمی مجموعہ منظرعام پر آیاجوبعد کے علماء اور فقہاء کے لئے مرجع کی حیثیت اختیار کر گیا۔ امام مالکؒ جیسے فقیہ اس خزینہ سے استفادہ کرتے رہے۔امام اوزاعیؒ نے بھی اس مجموعے کے بعض ابواب دیکھے۔امام سفیان ثوری آپ کے کتاب الرہن کامطالعہ کرتے رہے۔غرضیکہ سب اہل اسلام امام ابوحنیفہ کی اس علمی اور فقہی کاوش سے برابر مستفید ہوتے رہے اور مانتے رہے کہ سب لوگ فقہ میں امام صاحبؒ کے عیال(بچے)ہیں۔

حواشی ومراجع

[1]۔ شیخ ابوزہرہ مصری،امام ابوحنیفہ،مترجم:علامہ وارث علی نعیمی،ناشرملک شبیر حسین،سن اشاعت مئی2007،ص720

[2]۔ نعیم اشرف،مقدمۃ التحقیق علی المحیط البرھانی لامام برھان الدین ابوالمعالی محمودبن صدر الشریعہ ابن المازہ البخاری(متوفی616ھ)ادارۃ القرآن المجلس العلمی، کراچی،2004،ج1،ص15

[3]۔ ڈاکٹرخالد محمود، آثارالتشریع،دارالمعارف،سن اشاعت1994،ج1،ص266

[4]۔ ڈاکٹرعلامہ خالد محمود، آثارالتشریع المسمیٰ بہ آثارالفقہ الاسلامی،ج1ص236

[5]۔ مقدمۃ التحقیق علی المحیط البرھانی،بحوالہ محمودبن محمد عرنوس،تاریخ القضاءفی الاسلام ص58

[6]۔ اسلامی دنیامیں فقہی مذاہب اربعہ کافروغ،ص83-85

[7]۔ ڈاکٹرعلامہ خالد محمود، آثارالتشریع،ج اص136

[8]۔ امام ابوحنیفہ کی حیات وافکارکا تحقیقی ومطالعاتی جائزہ،استاذابوزہرہ مصری،مترجم علامہ وارث علی نعیمی،ناشرملک شبیر حسین، سن اشاعت،مئی 2007،ص334

[9]۔ اعلاءالسنن،ص43

[10]۔ امام ابوحنیفہؒ کے مجلس علمی میں اس وقت کے یہ جید علماء اور فقہاء شامل تھے:امام زفر،امام ملکؒ،امام داؤدؒ،امام مندلؒ،امام نضربن علیؒ،امام عمروبن میمون،امام حبان بن علی،امام ابوعصمہ،امام زبیربن معاویہ،امام قاسم بن معین،امام حمادبن الامام الاعظم، امام ہیاج بن بسطامؒ،امام شریک بن عبداللہ،امام عافیہ بن یزید،امام عبداللہ بن مبارکؒ،امام ابویوسفؒ امام محمدبن نوح،امام ہشیم بن بشیر،امام ابوسعید یحییٰ،امام فضیل بن عیاض،امام اسدبن عمرؒ،امام محمدبن الحسن الشیبانی،امام علی بن مسہر،امام یوسف بن خالد،امام عبداللہ بن ادریس،امام فضل بن موسیٰ،امام علی طبیان،امام حفص بن غیاث،امام وکیع بن الجراح،امام ہشام بن یوسفؒ،امام یحییٰ بن سعید القطان،امام شعیب بن اسحاق،امام ابوحفص بن عبدالرحمان،امام ابو مطیع بلخی،امام خالدبن سلیمان،امام عبدالحمید،امام حسن بن زیاد،امام ابوعاصم النبیل،امام مکی بن ابراہیم اورامام حمادبن دلیل ۔

[11]۔ مولانا حماداللہ وحید، تاریخ الفقہ والفقہائ، زمزم پبلشرز، ص70

[12]۔ عقود رسم المفتی

[13]۔۸۳ ہزار دفعات پر مشتمل اس مجموعے کے اندر بعد میں اضافے بھی ہوئے کچھ اضافہ امام صاحبؒ نے آخری بار قید کے دوران کیا جبکہ کچھ اضافے امام محمد بن الحسن الشیبانی نے کیے۔

[14]۔ مولانا حماداللہ وحید، تاریخ الفقہ والفقہائ، ص72

[15]۔ علامہ برہان الدین المرغینانی، الھدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، لاہور مکتبہ رحمانیہ، ج2، ص528

[16]۔ ایضاً: ص529

[17]۔ ایضاً: ص355

[18]۔ اسعد محمد سعید الصاغرجی، الفقہ الحنفیہ وادلتہ، ج3، ص92

[19]۔ علامہ برہان الدین المرغینانی، الہدایہ، ص391

[20]۔ علامہ برہان الدین المرغینانی، الہدایہ، ج2، ص326

[21]۔ ایضاً: ج2، ص582